21

حضرت مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب کی وفات سے جماعت کو ایک بہت بڑا نقصان ہوا ہے

(فرمودہ 6 جون 1947ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جہاں یہ مسلّمہ امر ہے کہ جماعت کا فائدہ ہی اصل اور حقیقی چیز ہوتا ہے اور افراد، جماعت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ وہاں یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جماعتیں افراد سے بنا کرتی ہیں اور جس قسم کے افراد کسی جماعت میں پائے جاتے ہوں اُس کے مطابق ہی جماعت کی عزت اور مرتبہ ترقی کرتا ہے۔ اِس لئے جہاں جماعت کا شیرازہ بکھرنے سے افراد کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور اُن کا فائدہ اور اُن کی نفع رسانی محدود ہو جاتی ہے وہاں اِس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ افراد کی قیمت کے مطابق جماعت کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ اِس وجہ سے جہاں جماعت کی شیرازہ بندی اور اُس کا اتفاق اور اتحاد قائم رہنا ضروری ہوتا ہے وہاں افراد کا معیارِ اخلاق اور معیارِ تقویٰ بلند رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ بلند مرتبہ انسانوں کے بغیر جماعت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو جس طرح پہلے زمانہ میں ہوتا رہا ہے آپؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے چوٹی کا دماغ رکھنے والے آدمی دیئے۔ جہاں یہ سچ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اور اسلام نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

جیسے انسان پیدا کئے وہاں اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ ذکی اور فہیم انسان اللہ تعالیٰ نے اِس لئے چُن لئے کہ اسلام کی بہترین خدمت یہی لوگ کر سکتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام نے ان لوگوں کے نام روشن کئے۔لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اِن لوگوں کے ذریعہ اسلام کا نام روشن ہوا۔حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کی جگہ اگر کوئی اَور لوگ ہوتے جو اس قسم کا دماغ نہ رکھنے والے ہوتے تو ہم قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ بھی اُسی قسم کے کارنامے کرتے جیسے ان لوگوں نے کئے۔ یہ الٰہی تدبیر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بہترین دماغ رکھنے والے انسان جو کہ مذہب کی بہترین خدمت کر سکتے ہیں، مذہب کی بنیادوں کو مضبوط کر سکتے ہیں انبیاء کو عطا کرتا ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک بہادری کا سوال ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے مخالفین میں بھی بڑے بڑے تجربہ کار جرنیل تھے۔لیکن مسلمان بہادروں کے سامنے آکر وہ رہ جاتے تھے۔ اِس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ہی ضروری ہیں۔یعنی ذاتی جوہر کے ساتھ جب آسمانی روشنی مل جاتی ہے تو وہ انسان بہت بڑے کام کرنے لگ جاتا ہے۔ وہی ذاتی قابلیت رکھنے والے انسان جب کفار میں تھے تو وہ صرف قبائلی سردار تھے۔لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے تو اُنہوں نے بَیْنَ الْاَقوامی شہرت حاصل کر لی۔ یہ بَیْنَ الْاَقوامی شہرت حاصل کرنے والے انسان مثلاً عمرو بن عاصؓ یا خالد بن ولیدؓ بچپن میں ہی اسلام نہیں لائے تھے بلکہ وہ ایسی عمر میں ایمان لائے جبکہ وہ کفار کی طرف سے کئی لڑائیوں میں شامل ہو چکے تھے۔ ان لڑائیوں کے اوقات میں بھی ان میں اچھے جوہر موجود تھے اور وہ اُس وقت بھی بہادر اور دلیر تھے۔لیکن ہر دفعہ مسلمانوں کے سامنے پیٹھ پھیر کر بھاگنے پر مجبور ہوتے تھے۔مگر جب وہ مسلمان لشکر میں آگئے تو اُنہوں نے ایسے کارہائے نمایاں کئے کہ یورپ اور امریکہ میں انکی سوانح حیات کے متعلق اور اُن کے کارناموں کے متعلق کتابیں لکھی گئیں۔ جب تک وہ قبائلی سرداروں کے ساتھ تھے وہ ایک قبائلی سردار تھے۔اسلام لانے سے پہلے عمرو بن عاصؓ اور خالد بن ولیدؓ کی حیثیت ایک قبائلی سردار کی سی تھی لیکن جب یہ لوگ اسلامی لشکر میں شامل ہوئے تو اُنہوں نے ایسی شہرت اور عظمت حاصل کی کہ آسمان کے ستاروں سے بھی آگے نکل گئے۔ وہ صرف معلومہ دنیا کے کناروں تک ہی مشہور نہیں ہوئے بلکہ اُن کی شہرت دنیا کی زندگی اور وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتی چلی گئی اور آج

تک اُن کو نہایت عزت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ پس افراد سے قومیں بنتی ہیں اور قوموں سے افراد بنتے ہیں۔ اعلیٰ دماغوں کے مالک ذہین اور نیک انسان قوموں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔اور اعلیٰ اور نیک مقاصد اچھے اور ہوشیار لوگوں کے ہاتھ آ کر بہت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے یہی سلوک کیا کہ آپ کے دعوے کی ابتداء میں ہی بعض ایسے افراد آپؑ پر ایمان لائے جو کہ ذاتی جوہر کے لحاظ سے بہترین خدمات سرانجام دینے والے تھے اور اس کام میں آپؑ کی مدد کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے سپرد کیا تھا۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ واقع میں وہ لوگ بہترین مددگار اور معاون ثابت ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی حضرت خلیفہ اوّل مولوی نورالدین صاحب کی توجہ آپ کی طرف پھری اور آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت کیا تو نبوت کے متعلق بعض مضامین اپنی ابتدائی کتب ''فتح اسلام'' اور ''توضیح مرام'' میں بیان فرمائے۔ ایک شخص نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بدظنی رکھتا تھا ان کتابوں کے پروف کسی طرح دیکھے تو وہ جموں گیا اور اُس نے کہا آج میں نے مولوی نورالدین صاحب کو مرزا صاحب سے ہٹا دینا ہے۔ اُس وقت حضرت خلیفہ اول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر چکے تھے۔ دعویٰ مسیحیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فتح اسلام اور توضیح مرام کی اشاعت کے زمانہ میں کیا جو بیعت سے قریباً دو سال بعد ہوا اور اِنہیں میں مسئلہ اجرائے نبوت کی بنیاد رکھی۔ جب اُس شخص نے آپ کی کتب میں نبوت کے جاری ہونے کے متعلق پڑھا تو اُس نے کہا اب تو یقیناً مولوی نورالدین صاحب مرزا صاحب کو چھوڑ دیں گے کیونکہ مولوی صاحب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شدید محبت رکھتے ہیں۔ جب وہ یہ سنیں گے کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد بھی نبی آ سکتا ہے تو وہ مرزا صاحب کے مرید نہیں رہیں گے۔ چنانچہ اُس شخص نے اپنے ساتھ ایک پارٹی لی اور خراماں خراماں حضرت مولوی صاحب کی طرف چلے۔ جب آپ کے پاس پہنچے تو اُس شخص نے حضرت مولوی صاحب سے کہا مَیں آپ سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا فرمائیے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ اس شخص نے کہا اگر کوئی شخص کہے کہ میں اِس زمانہ کے لئے نبی بنا

کر بھیجا گیا ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد امتِ محمدیہ میں نبوت جاری ہے تو آپ اُس کے متعلق کیا خیال کریں گے؟ اُس شخص نے تو یہ خیال کیا تھا کہ مَیں ایک مولوی کے پاس جا رہا ہوں۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مَیں ایک مولوی کے پاس نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کے پاس جا رہا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ اپنے سلسلہ کا کام لینا چاہتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا اِس سوال کا جواب تو دعویٰ کرنے والے کی حالت پر منحصر ہے کہ آیا وہ اس دعویٰ کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر یہ دعویٰ کرنے والا انسان راستباز نہ ہوگا تو ہم اُسے جھوٹا کہیں گے اور اگر دعویٰ کرنے والا کوئی راستباز انسان ہے تو مَیں یہ سمجھوں گا کہ غلطی میری ہے۔ حقیقت میں نبی آ سکتا ہے۔ حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے اُس شخص نے جب میرا یہ جواب سُنا تو وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا چلو جی! ایہہ بالکل خراب ہو گئے ہیں۔ اب اِن سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ اِس پر مَیں نے اُسے کہا مجھے یہ تو بتا دو کہ بات کیا تھی؟ تو اُس نے کہا بات یہ ہے کہ آپ کے مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا الہام نازل ہوتا ہے اور مَیں ایک نبی کے مشابہ ہوں۔ حضرت خلیفہ اول نے اُسکی یہ بات سن کر فرمایا۔ بے شک مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ درست ہے۔ مجھے اِس پر ایمان ہے۔ حضرت خلیفہ اول اُس زمانہ میں اچھی شہرت رکھتے تھے اور آپ دلیری اور بہادری کے ساتھ کام کرنے والے تھے۔ اِس کے علاوہ آپ بہت مخیّر انسان تھے۔ غریبوں کو تعلیم دلانے کا آپ کو بہت شوق تھا۔ اور آپ غریب بیماروں کا علاج بھی مفت کرتے تھے۔ اِس طرح شروع شروع میں ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایسا ہمت والا اور عزت وشہرت رکھنے والا مددگار اور معاون عطا کر دیا جس کا ملنا محض اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے مشہور مصنفین اور علمی طبقہ میں ایک مشہور اور معروف انسان کو آپ پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی تھے۔ مولوی محمد احسن صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سناتے تھے کہ مَیں شروع میں سخت مخالف تھا اور مولوی بشیر احمد صاحب بھوپالوی اور مَیں نواب صدیق حسن خاں کے ساتھ مل کر کام کیا کرتے تھے۔ مولوی بشیر احمد صاحب بھوپالوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت تائید کرتے تھے۔ ایک دن گفتگو کرتے کرتے یہ طے پایا کہ مرزا صاحب کی صداقت کے متعلق مباحثہ کیا جائے۔ اور پہلے دونوں طرف کی کتابیں پڑھی

جائیں اور ان کے دلائل معلوم کئے جائیں۔ مولوی بشیر احمد صاحب نے کہا کہ ہم اُلٹ کتابیں پڑھیں۔ مجھے چونکہ مرزا صاحب سے حُسنِ ظنی ہے اس لئے مَیں آپ کی مخالف کتابیں پڑھوں گا۔ اور آپ مرزا صاحب کے خلاف ہیں اس لئے آپ مرزا صاحب کی کتابیں پڑھیں۔ اِس طرح ہمیں دونوں طرفوں کے دلائل سے واقفیت ہو جائیگی۔ اِس بحث کی تیاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پڑھنی شروع کیں اور مولوی بشیر صاحب نے آپ کے خلاف جو کتب لکھی گئی تھیں اُن کا مطالعہ شروع کیا۔ چنانچہ جب مباحثہ ہوا تو مَیں نے دیکھا کہ مولوی بشیر صاحب بھوپالوی سختی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت کرتے اور مَیں سختی سے آپ کی تائید کرتا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مَیں نے بیعت کر لی اور مولوی بشیر صاحب بھوپالوی احمدیت سے بہت دور چلے گئے۔

تیسرے وجود اُس زمانہ میں مولوی عبدالکریم صاحب تھے۔ جہاں تک ظاہری علوم کا تعلق ہے اُنہوں نے حضرت خلیفہ اول سے کچھ علوم پڑھے تھے لیکن ان کی خداداد ذہانت اور ذکاوت ایسی تیز تھی کہ وہ مضامین اور معارف کو یوں پکڑتے تھے جیسے باز چڑیا کو پکڑتا ہے۔ اور جس بات کو عام آدمی گھنٹہ بھر میں سمجھتا ہے وہ اسے سیکنڈوں میں سمجھ جاتے تھے۔ وہ معارف جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوتے تھے اور وہ دعویٰ جو کہ آپؑ نے کچھ عرصہ کے بعد کرنا ہوتا تھا وہ کچھ دن پہلے ہی ان کی زبان پر جاری ہو جاتا تھا۔ اور پھر بولنے میں انہیں ایسی مہارت تھی اور ان کے کلام میں اتنی فصاحت تھی کہ ان کی تقریر سننے والا آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آواز اتنی سریلی تھی کہ جب آپ قراءت کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد گا رہے ہیں۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کی جماعت سے اتنی شدید محبت تھی کہ اُس محبت کا اندازہ اُس شخص کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا جس نے آپ کو دیکھا اور آپ سے باتیں کی ہوں۔ جب آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے جسم کے ذرّے ذرّے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت داخل ہو گئی ہے۔

لیکھرام کے قتل کے واقعہ کے متعلق ایک دفعہ وہ مسجد کے محراب میں کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ مَیں اُس وقت چھوٹا تھا لیکن وہ نظارہ مجھے اب تک یاد ہے۔ اُن کے ہاتھ میں ایک بڑا سوٹا تھا جسے پنجابی میں کھونڈ کہتے ہیں۔ اُنہوں نے لیکھرام کی شوخیوں اور دیدہ دلیریوں کا ذکر کیا اور

پھر کہا لیکھرام کی اِن دیدہ دلیریوں کو دیکھ کر ایک دُبلا پتلا انسان جو کہ ہر وقت بیمار رہتا ہے اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے مقابلہ کے لئے نکلا۔ اور اس نے لیکھرام پر ایسے زور کے ساتھ حملہ کیا کہ ''اس بھڑ وِلے جیہا آدمی نوں چک کے ایں ماریا کہ اس دا نام ونشان وی نہ رہیا۔'' یعنی اسلام کے اس دبلے پتلے سپاہی نے ہندوؤں کے موٹے تُپے جیسے پہلوان کو یوں اٹھا کر زمین پر گرایا کہ اُس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ گویا اُنہوں نے اپنی بات کو واضح کرنے کے لئے اِس روحانی مقابلے کو ایک جسمانی مقابلہ سے تشبیہہ دی اور ایسے مزے کے ساتھ بیان کیا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ امیر حمزہ کی داستان بیان ہو رہی ہے۔ ان کے کلام کی فصاحت دلوں کو موہ لیتی تھی۔

حضرت مسیح موعود کا لیکچر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' انہوں نے ہی لاہور میں پڑھا تھا۔ لیکچر سننے والوں نے کہا کہ بے شک لیکچر لکھنے والے کی خوبیوں اور علمی قابلیت کا کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وہ شخص جس نے یہ لیکچر پڑھا وہ بھی بہت قابلِ تعریف انسان تھا۔ اس کی آواز ایسی شیریں تھی کہ سامعین مسحور ہوئے جاتے تھے۔ جب مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہو گئے تو ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بہت گھبراہٹ ہوئی کیونکہ آپؑ نے آریہ سماج کے جلسہ کے لئے جو کہ لاہور میں منعقد ہوا تھا ایک لیکچر تیار کیا۔ آپ کو یہ فکر لاحق ہوا کہ اب اسے سنائے گا کون؟ پہلے آپؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت خلیفہ اول جا کر یہ لیکچر سنائیں۔ جب یہ لیکچر چھپ گیا تو آپ نے مسجد میں حضرت خلیفہ اول کو فرمایا کہ آپ یہ مضمون پڑھ کر سنائیں۔ حضرت خلیفہ اول نے مضمون پڑھنا شروع کیا لیکن ابھی آپ نے چار پانچ منٹ ہی مضمون پڑھا ہو گا کہ آپ نے فرمایا مولوی صاحب آپ رہنے دیں۔ اب کوئی دوسرا آدمی پڑھے۔ اس کے بعد مرزا یعقوب بیگ صاحب نے پڑھنا شروع کیا مگر ان کو بھی تھوڑی دیر کے بعد روک دیا۔ اس کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو آپ نے پڑھنے کے لئے فرمایا۔ شیخ صاحب نے ایک آدھ منٹ تو بہت بلند آواز سے پڑھا اور یہ خیال کیا گیا کہ وہ پڑھ لیں گے لیکن تھوڑی دیر میں ہی اُن کا گلا بھرّا گیا اور آواز بیٹھ گئی۔ مجھے یاد ہے اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو بڑی مشکل ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب خوب پڑھا کرتے تھے۔ اب تو کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا۔ آخر حضرت خلیفہ اول کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ آپ اِس لیکچر کو پڑھ کر سنائیں۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اول اور آپ کے بعد غالباً مرزا یعقوب بیگ صاحب

مرحوم نے مضمون پڑھا۔لیکن لیکچر کا وہ اثر نہ ہوا جو مولوی عبدالکریم صاحب کے پڑھنے سے ہوتا تھا۔
اِسی طرح اُس زمانہ میں ہماری جماعت میں کوئی اچھے پائے کا فلسفی اور منطقی دماغ رکھنے والا آدمی نہ تھا۔سو اللہ تعالیٰ نے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کو ہدایت دے دی اور وہ آپؑ پر ایمان لے آئے۔اس کے بعد آپ پشاور میں پروفیسر مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد قادیان کی محبت نے غلبہ کیا اور آپ قادیان تشریف لے آئے اور دستی بیعت کی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی صاحب سے فرمایا آپ یہیں رہ جائیں۔چنانچہ آپ یہیں رہنے لگ گئے۔بعض لوگوں نے زور دیا کہ مولوی صاحب کالج میں پروفیسر ہیں اور اچھی جگہ کام کر رہے ہیں،ان کی ملازمت سے سلسلہ کو فائدہ ہوگا اور ان کے ذریعہ تبلیغ ہوگی۔چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو واپس جانے کی اجازت دے دی لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اجازت لے کر واپس آ گئے اور قادیان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی صاحب کا مُدّ کا مباحثہ مشہور چیز ہے۔اُس زمانہ میں مولوی صاحب مدرسہ احمدیہ میں پڑھایا کرتے تھے۔آپ نے کالج کی پروفیسری چھوڑ کر سکول کی مُدرِّسی اختیار کی۔اُس وقت آپ کو پندرہ بیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔مَیں بھی اُن دنوں سکول میں پڑھتا تھا اور کچھ عرصہ مَیں نے بھی مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کی ہے۔گو میرے نزدیک اُن کی تعلیم کا طریقہ سکول کے لڑکوں میں کامیاب نہ تھا۔اِس لحاظ سے مَیں نے اُن کی سکول کی تعلیم سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھایا۔البتہ قاضی امیر حسین صاحب اچھا پڑھاتے تھے اور لڑکوں پر کنٹرول اور ضبط بھی اچھا رکھتے تھے۔لیکن مولوی صاحب چھوٹے لڑکوں پر کنٹرول نہیں رکھ سکتے تھے۔چونکہ مولوی صاحب کی تعلیم کا رنگ فلسفیانہ تھا اِس لئے وہ بچوں کے پڑھانے میں کامیاب نہ تھے۔جب مدرسہ احمدیہ کالج کی شکل اختیار کر گیا تو آپ کو اس کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔یہ حالت اُن کی قابلیت کے معیار کے کسی حد تک مطابق تھی۔ظاہری لحاظ سے مدرسی تعلیم میں مولوی صاحب سب سے زیادہ ماہرِ فن تھے۔مَیں نے کئی دفعہ دیکھا کہ حضرت خلیفہ اول درسی کتب کے بعض مشکل مقامات کے متعلق مولوی سید سرور شاہ صاحب سے فرماتے کہ آپ اِس کا مطالعہ کر کے پڑھائیں مجھے اِس کی مشق نہیں۔چنانچہ مولوی صاحب وہ مشکل مقامات طالب علموں کو پڑھاتے۔مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اول نے

سیبویہ کتاب کے متعلق بھی مولوی صاحب کو فرمایا کہ اِس کے بعض مقامات مجھ پر حل نہیں ہوئے اِس لئے آپ یہ کتاب طالب علموں کو پڑھائیں۔ ایسی ایک دو اور کتابوں کے متعلق بھی حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ یہ طالب علموں کو پڑھا دیں۔ اور جب مولوی صاحب طالب علموں کو پڑھاتے تو حضرت خلیفہ اول بھی سنا کرتے۔ غرض مولوی صاحب نے مُدرِّسی تعلیم کو کمال تک پہنچا دیا تھا اور قدرتی طور پر ان کا دماغ بھی فلسفیانہ تھا۔ جس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جاتا خواہ وہ عام مسئلہ ہی ہوتا مولوی صاحب اُسے فلسفیانہ رنگ میں خوب کھول کر بیان کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ پوچھنے والے کو ان کے بیان کردہ فلسفہ سے اتفاق ہو یا نہ ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا ہو اور انہوں نے اُس کا فلسفیانہ رنگ میں جواب نہ دیا ہو۔ آپ صرف یہی نہیں بیان کرتے تھے کہ فلاں نے اِس کے متعلق یہ لکھا ہے اور فلاں کی اِس کے متعلق یہ رائے ہے بلکہ یہ بھی بتاتے تھے کہ اِس مسئلہ کی بنیاد کس حکمت پر مبنی ہے۔ اُس کے چاروں کونے خوب نمایاں کرتے تھے اور پھر اُس کی جزئیات کی بھی تشریح کرتے۔ اِس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب کو لمبی بات کرنے کی عادت تھی اور وہ جذبات کو اپیل نہیں کر سکتے تھے۔ اِسی لئے ان کا لیکچر کامیاب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور علم دوست طبقہ تو ان کی تقریر کو نہایت سکون کے ساتھ سنتا تھا لیکن پبلک دماغ ان کی تقریر سے متاثر نہیں ہوسکتا تھا۔ صرف علمی طبقہ کے لوگ ہی جانتے تھے کہ آپ کے علم میں کتنی وسعت ہے اور کتنا تبحّر آپ کو حاصل ہے۔

حضرت خلیفہ اول کی خلافت کے آخری ایام میں ایک وفد باہر گیا۔ اس وفد نے بعض ایسی باتیں کیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان اور آپؑ کے درجہ کے منافی تھیں۔ چنانچہ جب وہ وفد واپس آیا تو یہ سوال مَیں نے اٹھایا کہ وفد کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان کے متعلق جو بیانات باہر دیئے گئے ہیں وہ آپؑ کی شان کے منافی ہیں اور آپؑ کے درجہ میں کمی کی گئی ہے۔ مولوی سید سرور شاہ صاحب بھی اس وفد میں شامل تھے۔ جب انہوں نے اس بات کو سنا تو انہوں نے کہا واقع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کمی کی گئی ہے اور ہم سے چُوک ہوئی ہے لیکن اُس دن سے لے کر وفات تک مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام بیان کرتے تو آپ کی طبیعت میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی

آخری ملاقات جس کو آٹھ دس دن ہوئے ہیں مجھ سے اسی سلسلہ میں ہوئی۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ مولوی صاحب ملنے کے لئے آئے ہیں۔ مَیں نے اوپر بلوالیا تو مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کمی کی جاتی ہے اور آپ کو صرف مسیح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حالانکہ مہدی کی شان مسیح کی شان سے کہیں بلند ہے۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا ذکر کئی جگہ اپنی کتب میں کیا ہے۔ صرف مسیح موعود لکھنے کا کہیں یہ نتیجہ نہ ہو کہ آہستہ آہستہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حقیقی مقام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ مَیں نے مولوی صاحب کو کہا کہ آپ یہ بات مجھے لکھ کر بھیج دیں۔ مَیں اس پر غور کروں گا۔ چنانچہ اس کے تیسرے یا چوتھے دن مولوی صاحب کی طرف سے ایک تحریر اسی مضمون کی مجھے مل گئی۔ گویا مولوی صاحب کو اپنی وفات کے قریب بھی یہی فکر رہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کہیں کمی نہ ہو جائے۔

جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے مَیں مولوی صاحب کا شاگرد رہا ہوں۔ عمر کے لحاظ سے مولوی صاحب مجھ سے بہت بڑے تھے اور مَیں ان سے بہت چھوٹا تھا۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ باوجود اِس کے کہ وہ میرے استاد تھے، باوجود اِس کے کہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے، باوجود اِس کے کہ وہ مُدرِّسی تعلیم میں بہت زیادہ دسترس رکھتے تھے۔ مَیں نے اکثر دیکھا کہ مولوی صاحب کاغذ پنسل لے کر بیٹھتے تھے اور باقاعدہ میرا لیکچر نوٹ کرتے رہتے تھے۔ ان میں محنت کی عادت اتنی تھی کہ مَیں نے جماعت کے اور کسی شخص میں نہیں دیکھی۔ اگر مجھے کسی کی محنت پر رشک آتا تھا تو وہ مولوی صاحب تھے۔ بسا اوقات مَیں بیماری کی وجہ سے باہر نماز کے لئے نہیں آ سکتا تھا اور اندر بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ لیکن مسجد سے مولوی صاحب کی قراءت کی آواز میرے کانوں میں آتی اور میرا نفس مجھے ملامت کرتا کہ مَیں جو عمر میں اُن سے بہت چھوٹا ہوں مَیں تو گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ اسّی سال کا بڈھا مسجد میں نماز پڑھا رہا ہے۔ میرے زمانہ خلافت میں میری جگہ اکثر مولوی صاحب ہی نماز پڑھاتے تھے۔ صرف آخری سال سے مَیں نے اُن کو نماز پڑھانے سے روک دیا تھا کیونکہ گرمی کی شدت کی وجہ سے وہ بعض دفعہ بے ہوش ہو جاتے تھے اور مقتدیوں کی نماز خراب ہوتی تھی۔ اِس لئے مَیں نے ان کو جبراً ہٹایا۔ ورنہ وہ کام سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ سینکڑوں آدمیوں نے دیکھا ہوگا کہ وہ روزانہ بلاناغہ مجلس عرفان میں شامل

ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ وفات سے صرف دو رات پہلے وہ مجلس میں آئے اور بیٹھے رہے۔ اُن کو مجلس میں ہی بیہوشی شروع ہوگئی۔ اور مَیں نے دیکھا کہ مولوی صاحب بیٹھے ہوئے بینچ پر جُھکے جا رہے ہیں۔ مَیں نے اُن کے بعض شاگردوں سے کہا مولوی صاحب بیمار معلوم ہوتے ہیں اُن کا خیال رکھنا۔ اُسی دن سے آپ پر بیہوشی طاری ہوئی اور آپ تیسرے دن فوت ہوگئے۔

ایسے عالم کی زندگی نوجوان علماء کے لئے بہت ہی کارآمد تھی۔ نوجوان علماء کی وہ نگرانی کرتے تھے اور نوجوان علماء ان سے اپنی ضرورت کے مطابق مسائل پوچھ لیتے تھے۔ مجھے کئی سال سے یہ فکر تھا کہ جماعت کے پرانے علماء اب ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یکدم جماعت کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور جماعت کا علمی معیار قائم نہ رہ سکے۔ چنانچہ اس کے لئے مَیں نے آج سے تین چار سال قبل نئے علماء کی تیاری کی کوشش شروع کر دی تھی۔ کچھ نوجوان تو مَیں نے مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولوی صاحب کے ساتھ لگا دیئے اور کچھ نوجوان باہر بھجوا دیئے تا کہ وہ دیوبند وغیرہ کے علماء سے ظاہری علوم سیکھ آئیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور قدرت کی بات ہے کہ ان علماء کو واپس آئے صرف ایک ہفتہ ہوا ہے۔ جب وہ واپس آ گئے تو مولوی صاحب فوت ہو گئے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس وقت تک وفات نہیں دی جب تک کہ علم حاصل کر کے ہمارے نئے علماء واپس نہیں آ گئے۔ اتنی دیر تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اِس سلسلے کی تائید و نصرت کرتا ہے اور خود اِس کا قائم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس دن تک ہماری جماعت کے ایک چوٹی کے عالم کو فوت نہیں ہونے دیا جب تک کہ نئے علماء کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نوجوان ابھی اُس مرتبہ کو نہیں پہنچے لیکن وہ جوں جوں علمی میدان میں قدم رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں گے اتنا ہی وہ ان علماء کے قائم مقام ہوتے جائیں گے۔ مولوی صاحب جب کالج سے فارغ ہو کر آئے تھے اُس وقت اُن کی اور حالت تھی۔ اور جب انہوں نے یہاں آ کر لمبی لمبی دعائیں کیں اور روحانیت سے اپنا حصہ لیا تو وہ بالکل بدل گئے اور ایک نیا وجود بن گئے۔ اِسی طرح ہمارے نوجوانوں کو علم تو حاصل ہو گیا ہے مگر اب وہ جتنا جتنا روحانیت کے میدان میں بڑھیں گے اور اپنے تقویٰ اور نیکی کو ترقی دیں گے اتنا ہی وہ

بلند مقام کی طرف پرواز کریں گے۔ جہاں تک کام کرنے کا تعلق ہے مولوی صاحب میں کام کرنے کی انتہائی خواہش تھی۔ لیکن تنظیم کے معاملہ میں وہ زیادہ کامیاب نہ تھے۔ ہاں ایک کام ہے جو اُن کے سپرد ہوا اور اُنہوں نے اُس میں کمال کر دیا۔ اور وہ کام اُن کی ہمیشہ یادگار رہے گا۔ جس طرح لنگر خانہ اور دارالشیوخ میر محمد اسحاق صاحب کے ممنونِ احسان ہیں اِسی طرح وصیّت کا انتظام مولوی سید سرور صاحب کا ممنونِ احسان ہے۔ مولوی صاحب نے جس وقت وصیت کا کام سنبھالا ہے اُس وقت بمشکل وصیت کی آمد پچاس ساٹھ ہزار تھی مگر مولوی صاحب نے اِس کام کو ایسے احسن طور پر ترقی دی کہ اب وصیت کی آمد پانچ لاکھ روپیہ سالانہ تک پہنچ گئی۔ آپ کو وصیت کے کام میں اِس قدر شغف تھا کہ آپ بہت جوش وخروش کے ساتھ اس کام کو سرانجام دیتے تھے کیونکہ نظامِ وصیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قائم کردہ ہے اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ اِس میں کوئی کمزوری واقع ہو جائے۔ یہ آپ کی ہی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ اب ہمارے چندہ عام سے چندہ وصیت زیادہ ہے۔ یہ کام ہمیشہ کے لئے آپ کی یادگار رہے گا۔

مجھے افسوس ہے کہ مولوی صاحب کے بچوں میں سے کسی نے علمِ دین میں وہ مقام حاصل نہیں کیا جو اُنہیں حاصل تھا۔ اِسی طرح تعلیم میں بھی وہ مولوی صاحب کے مقام کو حاصل نہیں کر سکے۔ لیکن اگر انسان کو کسی چیز کے حاصل کرنے کا فکر لاحق ہو جائے تو اس کے لئے مواقع ہر وقت میسر آ سکتے ہیں۔ یورپ کے ایک ستّر سالہ بوڑھے نے لاطینی زبان سیکھی اور اُس کے بعد اُس نے کتابیں لکھیں۔ اِسی طرح اگر مولوی صاحب کی اولاد میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو وہ ہر وقت اُن علوم کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ وہ علوم کی طرف توجہ کریں۔ بہرحال مولوی صاحب کی وفات سے جماعت کا ایک بہت بڑا نقصان ہوا ہے اور اُن کی اولاد کا تو دوہرا نقصان ہے۔ بلحاظ اولاد ہونے کے بھی اور بلحاظ احمدی ہونے کے بھی اُن کو دُہرا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ مولوی صاحب باوجود 84 سال عمر پانے کے آخری دم تک کام کرتے رہے۔☆ ورنہ عام طور پر لوگ پچاس ساٹھ سال کی عمر میں ہی ناکارہ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے انسان شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں جو اس عمر تک کام کرتے رہتے ہیں ورنہ بالعموم لوگ پچاس ساٹھ سال کی عمر میں ہی کام کاج چھوڑ بیٹھتے ہیں اور بہت سے لوگ تو مولوی صاحب کی عمر کو پہنچتے ہی نہیں۔

☆ الفضل میں ایک مضمون چھپا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر 92 سال کی تھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولوی صاحب کے مدارج بلند کرے اور اُن کے شاگردوں میں سے جو علماء اِس وقت کام کر رہے ہیں اُن کو توفیق دے کہ وہ اُن کی علمی بنیادوں کو اَور زیادہ بلند کرنے والے ہوں۔ ہماری جماعت میں اگر بلند پایہ کے علماء ہوں تبھی ہماری جماعت باقی دنیا پر غالب آ سکتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کسی مجلس میں ہمارا سر نیچا نہ ہونے دے اور ہمارے علماء کے علمی اور عملی پایہ کو بلند کرے اور دنیا پر اُن کو غالب کرے۔ اگر علم کی بنیادیں کمزور ہو جائیں تو عمل کی بنیادیں بھی کمزور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہماری ضرورتوں کو پورا فرماتا رہے اور علمی اور عملی میدان میں ہر لحظہ ہمارا قدم آگے کی طرف بڑھائے کیونکہ علم و عمل کے بغیر روحانی اور اقتصادی ترقیات حاصل نہیں ہوسکتیں۔'' (الفضل 13 رجون 1947ء)